مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

مادیت زدہ انسان کیلئے نجات کا راستہ

امریکہ
کی
ہارورڈ یونیورسٹی
میں
خطاب

۹؍ جون ۱۹۷۷ء کو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے ڈیوینیٹی کالج ہال میں خطاب جس کا انگریزی ترجمہ مزمل حسین صدیقی ندوی نے کیا، تعارفی تقریر اور اناؤنسر کے فرائض مدثر حسین صدیقی نے انجام دیئے۔ جلسے میں یونیورسٹی کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ نیز مختلف سے آئے ہوئے مندوبین کی کثیر تعداد شریک تھی تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مشتاق بھوپالی طالب علم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کی۔ ہم اسے بشکریہ "تعمیر حیات لکھنؤ" نذر قارئین کر رہے ہیں ـــ "ادارہ"

بڑا خوش بخت اور بڑا بدقسمت

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سافلین۔

میرے دوستو اور بھائیو! میں اپنی آج کی گفتگو کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرنا چاہتا ہوں جسکی طرف رہنمائی ان ہی آیتوں سے ہوئی جو ابھی پڑھی گئیں اور یہ ایک طرح کا القاء کہئے کہ مجھے اس سے آپ سے بات کرنے کا راستہ مل گیا، میں اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرتا ہوں جو شائد آپ کے لئے اور بہت سے پڑھے لوگوں کے لئے خلاف توقع اور چونکا دینے والا ہو، مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے امریکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بدقسمت۔ آپ ایک ہی جملہ میں اتنے بڑے تضاد کو سن کر تعجب کریں گے لیکن ابھی آپ کے سامنے جو آیت پڑھی گئی ہے وہ خود ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہے اور وہی واقعہ اس خطۂ زمین کا ہے جسکو خدا نے دنیا کی قیادت عطا کی، بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر جسکی تفصیل مشکل ہے۔ اور میں نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین (ISLAM AND THE WORLD) اس کے انگریزی ترجمہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کہ مغرب کو قیادت کیسے حاصل ہوئی، جو انسان کا معاملہ ہے وہی تقریباً اس خطۂ زمین کا معاملہ ہے۔ ایک ہی وقت میں بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بدقسمت بھی، اور کاش کہ واقعہ

اتنا ہی ہوتا کہ یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بدقسمت ہوتا تو کوئی بڑی ٹریجڈی اور کوئی بڑا سانحہ نہ ہوتا، تاریخ انسانی میں ہمیں ایسی قوموں اور ملکوں کا سراغ ملتا ہے جو اپنی ترقی کے نقطۂ عروج پہ پہنچ گئے تھے پھر اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور وہ بامِ ثریا سے گر کر تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، اگر یہ ایک تنہا ملک کا معاملہ ہوتا تو ہمیں اس سے دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن جب کسی ملک کو قیادت کا مقام حاصل ہو اور وہ دنیا کے حالات پہ اثر انداز ہو اور اسکی خوش قسمتی اور بدقسمتی انفرادی نہ رہے کسی خطہ تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا اثر دور دور پڑے، انسانیت اور قسمت انسانیت پہ پڑے تو واقعہ کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اگر مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے شروع ہو کر امریکہ پہ ختم ہوتا ہے۔

------ اگر یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بدقسمت ہوتا تو ہمیں اور آپ کو اور دنیا کے رہنے والوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ ہوتی۔ لیکن چونکہ اس کو قیادت کا مقام حاصل ہے اسی لئے اس کی خوش قسمتی اور بدقسمتی صرف اس کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پوری انسانی قوموں اور انسانی مجموعہ پہ اس کا اثر پڑتا ہے۔ آپ غور کریں گے کہ میں ایک وقت ہی میں نہیں بلکہ ایک سانس میں اس کو خوش قسمت بھی اور بدقسمت بھی کہہ رہا ہوں آپ کو اسکی وجہ پوچھنے کا حق حاصل ہے۔

خوش قسمت اس وجہ سے کہ خدا نے اسکو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا، یہاں کے رہنے والوں کو ایسی قوتِ ارادی، ایسا جوشِ عمل، ایسی ذہانت، ایسا کام کرنے کا جذبہ، ایسی توانائی عطا کی کہ اس نے اس زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا خدا کی قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا، کائنات کی قوتوں کو مسخر کیا۔ اقبالؒ کے کے الفاظ میں، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، ستاروں کی گذرگاہوں کو دریافت کیا۔ اس نے اس مٹی کو سونا بنا دیا۔ اب یہ زمین سونا اگلتی ہے، یہاں کی فضا سے مَن برستا ہے، اور یہاں بائبل کی زبان میں دودھ اور شہد کے دریا بہتے ہیں، یہ نتیجہ ہے ان قوموں کے جوشِ عمل کا، ان کے جذبۂ مسابقت کا، ان کی بے چین فطرت کا۔ اور ان کے نہ تھکنے والے نہ ہارنے والے عزم کا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو جو یورپ سے یہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ قدرتی دولتوں سے مالا مال کیا، خدا کے جتنے خزانے ہیں وہ سب کے سب یہاں موجود ہیں، اور پھر موجود ہی نہیں بلکہ یہاں وہ ہاتھ بھی موجود ہیں جو ان خزانوں کو برآمد کریں اور قدرت کی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اس لحاظ سے یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے۔ اور اس نے اپنی خوش قسمتی کا سکہ صرف اس ملک کے رہنے والوں پہ نہیں بلکہ ساری دنیا پہ بٹھا دیا ہے اور آج ساری دنیا ان کی دریوزہ گر ہے۔ دنیا کی ہر قوم ان کے سامنے جھولی پھیلائے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے اور بھیک مانگتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ آج دنیا ان کے دروازہ کی سائل بنی ہوئی ہے۔

اور انہوں نے اپنی ذہانت سے اپنے حسنِ تنظیم سے زندگی کو اس طرح منظم کیا، جسطرح انہوں نے ان طاقتوں سے فائدہ اٹھانے کا سبق سیکھا ہے۔ اس سے ساری دنیا فیض پا رہی ہے، انہوں نے مادی اور اقتصادی طور پر اپنی افادیت اور ذہنی صلاحیت کا سکہ قائم کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے آپ ان کو خوش قسمت کہیں، اس میں ذرا مبالغہ نہیں، اور اس کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں، اگر ہم ہندوستان میں، مصر میں، سعودی عرب میں، مشرق کے کسی ملک میں ہوتے تو اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت تھی مگر ہم اور آپ یہاں بیٹھے ہیں اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے

عیاں را چہ بیاں

ہم یہاں موجود ہیں اور خود اس ملک کی دولت سے اور آسائشوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں اس لحاظ سے آپ اسکی خوش قسمتی پہ جتنا رشک کریں اور اس خوش قسمتی کی جتنی داد دیں اور جتنا سراہیں سب بجا ہے۔ میں کسی عصبیت کو جائز نہیں سمجھتا کہ اسلامی تعصب سے، اسلامی تعصب تو نہیں ایشیائی تعصب سے قومی تعصب سے نسلی تعصب سے کام لیں۔ یہ ایک حقیقت ہے، روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ملک بدقسمت ہے۔ یہ الفاظ میں تو بڑی جرأت کے ساتھ کہہ رہا ہوں اور بہت سے بھائیوں کے لئے یہ اجنبی اور نامانوس ہوں گے۔ لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے یہ واقعہ ہے کہ یہ ملک بدقسمت ہے۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس ملک نے مادی میدان میں جو فتوحات حاصل کیں اور اس میں جو ریکارڈ قائم کیا اور جسطرح اس نے اس زمین کو گلزار، لالہ زار بنا دیا، اور اسکو جنت کا ایک نمونہ بنا دیا۔ بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطۂ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اسکو دین صحیح کی نعمت مل جاتی، اور جسطرح اس نے مادیات کیطرف توجہ کی اخلاقیات کیطرف توجہ کرتا، اور جسطرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں۔ اور "سنریھم آیاتنا فی الآفاق۔" پہ عمل کیا ہے ویسے ہی "الفنس" خدا کے پیدا کئے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور دنیا کو دکھاتا اور اس کی ذہانت صرف اس پہ مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے رازہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار سے اور انسانی دل کی گہرائیوں سے بھی واقف ہو اور اس کو معلوم ہو کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے۔ اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ اور حجم دریافت کیا اور جن جن چیزوں کا انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پہ پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ

کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اسکی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی اگر یہ ملک معلوم کرتا، اور اس قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا، اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی تو اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے، جس طرح ایک حقیر کنکر ہی بحر اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور اس کا پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ اس طرح یہاں کے مغربی انسان کو اس کا علم ہوتا کہ قلب انسانی میں کتنی گہرائی ہے، کہ اگر کائنات اس میں ڈالدی جائے تو پتہ بھی نہ چلے کہ کہاں گئی، اس ملک کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے۔ اس کو تو جمادات، حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے۔ کیمسٹری پر، بیالوجی پر، ذیولوجی پر اس نے جو محنت کی ہے اور اپنی ذہانت صرف کی ہے۔ اور جس کی ذہانت کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزاء الاوفاء ۔

فرمایا: "کلاً نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وما کان عطاء ربك محظورًا۔"

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کریگا خدا کامیابی دے گا۔ کہیں کوئی راشننگ نہیں ہے۔ کوئی بندش نہیں ہے، کہ یہاں سے آگے تم ترقی نہیں کر سکتے۔

نیچرل لاز اور فزیکل یونیورس پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کر لیا ہے۔ اسی طریقہ سے روح، قلب اور ایمان و یقین پر یہ ملک محنت کرتا اور ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا۔ اس کو ایک حیوان کا فائدہ معلوم ہے، ایک جانور اور ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طریقہ سے دواؤں کے خواص اور جتنی بھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں ان کی حقیقت کیطرف جب اس نے توجہ کی تو نئے عالم دریافت کئے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم ماننے میں لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیائیں ہیں تو کلیسا نے انہیں بڑی سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا۔ اگر شرف انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے۔ تو آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

مناسب ترین مذہب | اس دنیا کی تاریخ میں دو واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے اس ملک کو اس نعمت سے محروم کر دیا، اور یہ المیہ پیش آیا نہ صرف مغرب کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے ایک تو یہ کہ اس خطہ زمین کو عیسائیت ملی۔ اس میں ہم مسلمانوں کی بڑی کوتاہی ہے۔ اور ہم اس کا جتنا بھی ماتم کریں وہ بالکل حق بجانب ہے کہ اس ملک کے لئے اس خطۂ زمین کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا جو انسانی قوتوں کو بیدار کرتا ہے، جو عقل انسانی کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ جو عقل سے کام لینا سکھاتا ہے۔ جو انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے۔ اپنی عزت کا احساس پیدا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا۔ جو کہتا ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبٰت۔ (بنی اسرائیل) وہ کہتا ہے کہ ہم نے انسان کو بڑا اعزاز بخشا، ہم نے اس کا بڑا رتبہ بلند کیا، ہم نے اس کو زمین اور آسمانی طاقتوں کا راکب بنایا، شہسوار بنایا، اور ہم نے اس کو بڑی نعمتیں عطا کیں، اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ وہ کہتا ہے، انی جاعل فی الارض خلیفہ۔ میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنانے والا ہوں، وہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھتا ہے۔ جو آخری چیز ہو سکتی ہے اسلام کی بنیاد توحید ہے، اس دنیا میں خدا کا نائب ہے۔ اور پھر انسان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے انسانیت کی بلندی کا تصور نہیں ہو سکتا چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے کہے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا تھا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا تو وہ کہے گا کہ اے بار خدایا آپ کو بیماری سے کیا مطلب آپ ان سب چیزوں سے بالاتر ہیں، تو ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کیلئے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تو وہ کہے گا کہ آپ کو بھوک سے کیا نسبت اور اس سے آپکا کیا واسطہ۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو مجھے پہنچتا۔

اے میرے بندے میں برہنہ تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے تو وہ کہے گا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ برہنہ تھا اگر تو اس کو کپڑے پہناتا تو مجھے پہنچتے۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کو اعزاز نہیں بخشا جا سکتا اور اس سے بلند تصور نہیں کیا جا سکتا اور پھر اسلام یہ بتاتا ہے انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے، اس کی فطرت صالح ہے، اس کی تختی بالکل سادہ ہے۔ "کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہ وینصرانہ ویمجسّانہ۔" ہر بچہ ماں کے پیٹ سے بالکل معصوم بے گناہ پیدا ہوتا ہے۔ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ کا یہ کارنامہ ہے۔ کہ کبھی اس کو یہودی بنا دیتے ہیں، کبھی عیسائی بنا دیتے ہیں اور کبھی مجوسی، اس پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں۔

لیکن انسان جو پیدا ہوتا ہے۔ وہ صبغۃ اللہ، خدا کا رنگ لے کر آتا ہے۔ اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل جو ہے وہ طاعت ہے، انسان کی فطرت میں سلامتی لکھی ہوئی ہے، اگر اس کو فطرت پر چھوڑ دیا جائے جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ بعض بعض کھلونے ہوتے ہیں اگر آپ ان کو چھوڑ دیں تو وہ الٹ جائیں اور ہر چیز اپنے مرکز کیطرف جاتی ہے۔ تو انسان اپنی ذات سے صحیح راستہ اختیار کرتا ہے، یعنی اس کی فطرت صحیح رہنمائی کرتی ہے، اس کی فطرت میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن یا کجی نہیں ہے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں، کہ قرآن میں آتا ہے اور بہت کم لوگوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا ہو، لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت۔" یعنی انسان کے لئے وہ چیز مفید ہے جو اس نے کمائی، اور انسان کے لئے نفس انسانی کے لئے وہ چیز مضر ہے، جو اس نے بہ تکلف کمائی، یعنی انسان کو نیک کام کرنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں اس کو اپنی فطرت سے لڑائی کرنے کی ضرورت نہیں۔ "لھا ما کسبت" میں "کسبت" یہ مجرد کے صیغہ سے آیا ہے، اور "اکتسبت" مزید فیہ کے صیغہ سے آیا ہے۔ اس میں تکلف شامل ہے، باب افتعال سے یعنی جو اس نے اچھا کام کیا خدا کی مرضی کے مطابق تو اس کی عین فطرت کے موافق تھا اور جو اس نے غلط راستہ اختیار کیا تو وہ فطرت کے خلاف تھا، اس کو اپنی فطرت سے لڑائی کرنی پڑی، اپنی فطرت سے انحراف کرنا پڑا، اس کو ایک مجاہد کا کام کرنا پڑا، اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کے متعلق کیا سند ہو سکتی ہے کہ جو انسان کا صحیح کام ہو وہ اسکی فطرت کا تقاضا اور جو غلط کام کیا تو گویا اس نے اپنی فطرت سے بغاوت کی۔

——— تو اس ملک کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، اگر اس ملک کا اور اسلام کا سنجوگ ہو جاتا یعنی ایک جائز رشتہ قائم ہو جاتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی، ایک طرف اس خطۂ زمین کے لوگوں کی توانائی، ابلتی ہوئی طاقتیں جو جوش مارتی ہیں، جسطرح فوارہ ابلتا ہے۔ ان کے اندر کام کرنے کی لامحدود طاقت ان کو کسی چیز پر چین نہیں ہے، یہ ستاروں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں، سمندر کھنگال کر اس سے موتی نکالنا چاہتے ہیں، انہوں نے بے جان چیزوں میں جو جان ڈال دی ہے، ایک طرف ان کی توانائیاں ان کی بے چین فطرت، ان کے ملک کی شادابی اور قدرتی دولتوں اور اسلام کی راہ اعتدال، اسلام کی حوصلہ افزائی اسلام کا دین فطرت ہونا، اسلام کا اپنے اوپر اعتماد پیدا کرنا کہ انسان اپنی ذات سے بے گناہ ہے، وہ ماں کے پیٹ سے بالکل بے گناہ پیدا ہوتا ہے، اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے۔ جیسے ہی وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زنگ جو اس پر لگ گیا ہے، وہ نکل جاتا ہے۔ توبہ کوئی مجبوری کی چیز نہیں بلکہ وہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اندر سے وہ چیز ابھرتی ہے، باہر سے نہیں آتی، اس لئے توبہ کرنے والوں کا بڑا مقام بتایا گیا ہے۔ تو اسلام جو انسانی قوت میں اضافہ کرتا ہے، انسان کی ہمت افزائی

کرتا ہے اور انسانی قوت کو ابھارتا ہے وہ دین توحید ہے۔ اس میں کہیں تخیلات پر دری نہیں ہے۔ وہ حقائق پر مبنی ہے، وہ ایسا عام فہم اور بدیہی مذہب ہے جس کو ہر سلیم الفطرت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، وہ انسانی زندگی کو بیڑیاں نہیں پہناتا کہ انسانی زندگی مقید ہو کر رہ جائے وہ علم کی راہ نہیں روکتا بلکہ علم کو ایک مقدس عبادت قرار دیتا ہے، وہ انسان کو دعوت دیتا ہے۔ "وفی انفسکم افلا تبصرون" وہ کہتا ہے: "الذین یتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا" اور "سنریھم آیاتنا فی الآفاق" وہ انسان کو دعوتِ تفکر دیتا ہے وہ انسان کو عقل سے کام لینے کو کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا۔ جس کا میں نے ذکر کیا، اسکی ساخت ایسی ہے۔ اور ایک طرف یہ ملک جو طاقتوں سے بھرا ہوا ہے تو اگر وہ ایک دوسرے کا تعاون کرتے تو دنیا کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن بدقسمتی ہے صرف اس ملک کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نوع انسانی کی اور خاص طور پر ہمارے اس دور کی، اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ اس ملک کو بتاتا ہے۔ انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے، وہ انسان کے اندر گناہ کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ایک قسم کی مایوسی کہ یہ اسکی قسمت ہے۔ اور قسمت بدل نہیں سکتی یعنی اس کا یہ جنم کا روگ ہے، وہ جنم کا گنہ گار ہے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو جائے اور وہ سمجھے غلطی ہوئی اور اسکی وہ تلافی کر دے، لیکن انسان کے اندر یہ عقیدہ بٹھا دیا جائے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا احساس کمتری میں پیدا ہوگا۔ تو ایک تو بدقسمتی یہ تھی کہ اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ مذہب اسکی انسانیت پر دھبہ لگاتا ہے اور داغدار بنا کر پیش کرتا ہے، اور پھر اسکو ایک خارجی مدد چاہیئے۔ یعنی جو اس کا کفارہ بن کر اس کے گناہوں کو معاف کروائے، پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں رہبانیت اور ترکِ دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا۔

کلیسا نے علم و عقل کی راہ روکی دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ جب کلیسا صاحبِ اقتدار تھا تو کلیسا نے علم و عقل کی راہ روکی، جب یورپ بیدار ہو رہا تھا، اور وہ یہ زنجیریں توڑ رہا تھا تو کلیسا ایک دیوار بن کر کھڑا ہو گیا اس نے ہر چیز کو اپنے فیتے سے ناپنا شروع کیا۔ اور ہر چیز کی سند بائیبل سے تلاش کرنا شروع کی اس نے زمین کی کرویت کا خیال پیش کیا تو کلیسا نے اس کی مخالفت کی، اس نے تعدد عوالم کا نظریہ پیش کیا کہ یہی دنیا نہیں بلکہ اور دنیائیں بھی ہیں، تو کلیسا نے اس کو کفر قرار دیا، ارتداد قرار دیا، اس نے بتایا کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے تو کلیسا نے فتویٰ لگایا۔ پھر کلیسا نے عدالتیں قائم کیں اور جو لوگ اس کا نشانہ بنے گذشتہ جنگ عظیم کے مقتولین سے کسی طرح ان کی تعداد کم نہیں بتائی گئی، یہ دو چیزیں ایسی جمع ہو گئیں کہ جس سے اس ملک کا رخ بالکل مادیات کی طرف ہو گیا۔ ایک طرف اس کے اندر ایک مذہب سے نہیں

بلکہ مطلق مذہب کیطرف سے بے اعتمادی اور ایک طرح کی رقابت، کینہ اور انتقامی جذبہ ہوگیا، دوسرے اس نے یہ سمجھا کہ علم میں اس وقت تک ترقی نہیں ہوسکتی، جب تک مذہب کی بیڑی کو کاٹ کر پھینکا نہ جائے۔ اور کلیسا سے آزادی نہ حاصل کر لی جائے، چنانچہ اس نے یہ مادی سفر شروع کیا جس کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔

حضرات! یہ داستان طویل بھی ہے، اور بڑی دردناک بھی، دل پر پتھر رکھے بغیر نہ سنائی جاسکتی ہے نہ سنی جاسکتی ہے۔ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ آپ سب اہل علم ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے۔ آپ تاریخ کے بھی طالب علم ہوں گے۔ اور تاریخ کے بہت سے فضلاء اور اسکالر یہاں ہوں گے۔ میں اس وقت یہ گفتگو ایسی یونیورسٹی کے دیوار کے سایہ میں کہہ رہا ہوں۔ جو دنیا میں شہرت رکھتی ہے، اور اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کر لیا ہے۔ مغرب کی مادی تہذیب کا انکس نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔ کائنات کے مضرات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے ہم کوئی دعویٰ نہیں کرسکتے کہ اس کے بعد کوئی جہاں نہیں ——— کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔

لیکن اس وقت یہ تہذیب اپنے جو بہترین پھل لاسکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کرسکتی تھی، اور آخری کامیابی جو دکھاسکتی تھی وہ اس نے دنیا کو دکھا دی ہے۔ اور اسوقت ہم ایک ایسے موڑ پر آکر کھڑے ہوگئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کر لیا ہے۔ اور امریکہ جو اس تہذیب کا بڑا مرکز ہے وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے، اور وہ فخر سے یہ کہہ سکتا ہے اور کہنے والے کہہ بھی رہے ہیں کہ ہم نے قدرت کو بالکل عریاں کر دیا ہے۔ ہم نے قدرت کے چہرے کا ہر نقاب اٹھا دیا ہے، ہم نے کوئی راز راز نہیں رکھا ہر راز کو فاش کر دیا ہے، اور اس کے نتیجہ میں جو ہونا چاہئے وہ اسوقت حاصل ہے، اس وقت فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ اور انسان کو جو آسانیاں میسر آسکتی تھیں وہ حاصل ہو گئیں اب اس کو کوئی دشواری نہیں، اب کسی تکلیف کی ضرورت نہیں، اب وہ تکلیف کا مزہ خود چکھنا چاہے تو چکھ سکتا ہے۔ لیکن وہ تکلیف اٹھانے پر مجبور نہیں۔ لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے اور نہ دنیا میں امن وامان قائم ہے اور نہ انسان کے قلب و روح کو کوئی غذا مل رہی ہے، انسان ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔ زندگی اس کو بے مقصد معلوم ہوتی ہے۔ چیزیں موجود ہیں لیکن ان کا جو اصلی مزہ ہوتا ہے وہ حاصل نہیں ہو رہا۔ اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے۔ اور اس ملک کو ایک نیا

پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کریں لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جا رہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کے ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پہ سوار نہیں بلکہ زندگی اس پہ سوار ہے۔ اب انسان راکب نہیں بلکہ مرکب بن کر رہ گیا ہے، اب اسکو یہ تہذیب سرپٹ لئے جا رہی ہے، منزل نامعلوم، باگ ڈور ہاتھ میں نہیں، پاؤں رکاب میں نہیں، انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر یہ سفر ختم ہوگا۔ اور اب وہ مجبور ہوکر عامل نہیں معمول بنا ہوا ہے۔ تو اس موقعہ پہ امید تو یہ تھی اور ہم ایشیا کے لوگ جن میں فلسفی بھی ہیں، اور دوسرے بھی، آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ مغرب ہی میں نیا رخ پیدا ہوگا۔ جو اس تہذیب کو نیا رخ دے گا۔ اور زندگی کی اس ترقی کو بامعنی اور بامقصد بنائے گا۔ لیکن ایسی شکل پیدا نہیں ہوئی۔

امید کی ایک نئی کرن میں اس کو محض اتفاق نہیں کہتا، میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اس کے پیچھے تقدیرِ الٰہی کام کرتی ہے۔ "ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔" خدا نے آپ کو اس ملک میں پہنچا دیا ہے۔ بڑی تعداد میں مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں، اور صرف ہاتھ سے کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغی صلاحیت رکھنے والے مسلمان بھی ہیں۔ جو یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے ہیں تحقیقات میں مصروف ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم کا یہاں لوہا منوالیا ہے، وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، محقق بھی ہیں، تو خدا نے اسوقت ایک موقعہ دیا ہے کہ بہت سے مسلم ممالک کے ذہین نوجوان یہاں پہنچ رہے ہیں، اور خود یہاں کی آبادی میں بھی اسلام پھیل رہا ہے۔ اور ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جو یا تو اسلام قبول کر چکی ہے یا قبول کرنے کے لئے تیار ہے اور ہمارے بلالی مسلمان اسوقت ہمارے لئے بہت بڑی طاقت کا سرچشمہ ہیں اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں۔ اس طرح یہ ملک ایک نئی کروٹ لے رہا ہے۔ اور امید کی ایک نئی کرن پیدا ہو رہی ہے، وہ جو وقت تھا ہمارے لئے کہ ہم اس ملک کی دستگیری کرتے وہ ہمارے آپس کے اختلافات کی وجہ سے اور ہماری کوتاہ بینی سے وہ وقت نکل گیا چاہیئے تو یہ تھا کہ جسوقت ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تھا۔ اور مضبوط حکومت قائم ہوئی تھی یا اس سے قبل جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اس وقت یورپ میں اسلام کی اشاعت ہوتی تو مغرب بھی اس ورطہ میں نہ پڑتا، اس مادیت کی دلدل میں نہ پھنستا اور نہ اسکی وجہ سے وہ قومیں بھی پھنستیں جو یورپ کی مقلد ہیں۔

اس کا بہترین وقت وہ تھا جب اسپین میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد دوسرا وقت وہ تھا جب عثمانی خلافت قائم ہوئی، لیکن افسوس کہ ہم نے اس وقت سے کام نہ لیا، اس سے بھی پہلے جب اسلام کے داعی دنیا میں نکلے تھے، کاش کہ اسوقت یہ داعی یہاں پہنچ جاتے، کہا جاتا ہے

کہ امریکہ کا کولمبس سے پہلے مسلمانوں نے انکشاف کیا تھا۔ کاش وہ ایک نئی دنیا کا انکشاف کرتے اور اس ملک کو ایک نیا پیغام دیتے اور وہ پیغام اسلام ہوتا، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں، آج اسلامی ممالک یورپ کی جس غلامی میں مبتلا ہیں اور جس طرح وہ یورپ کے دریوزہ گر بن گئے ہیں، اور مغرب کے ارادوں کے جسطرح وہ تابع ہو گئے ہیں، مغرب جو معاملہ کر رہا ہے اور جو کھیل کھیل رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا۔

لیکن اب خدا نے ایک موقع دیا ہے، آپ مختلف ملکوں سے، مختلف تقریبوں سے، مختلف اغراض سے تیزی کے ساتھ اس ملک میں آ رہے ہیں، کوئی اسلامی ملک نہیں جس کے بہترین نوجوان یہاں نہیں نظر آتے ہوں، اور آخری بات یہ کہ اس ملک سے جہاں حرم واقع ہے اس سے بھی بڑی تعداد میں نوجوان یہاں آ رہے ہیں، اس وقت آپ حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور آپ کی ذمہ داری اتنی ہی نہیں کہ آپ مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے معاشی مسئلہ کو حل کریں یا آپ یہاں سے بڑی دولت کما کر لے جائیں اور اپنے کنبہ اور خاندان کو فائدہ پہنچائیں، آپ کو اپنی ذمہ داری یہ سمجھنی چاہیئے۔ کہ اس ملک میں جس چیز کی کمی ہے اور یہ ملک اپنی تمام دولتوں کے باوجود جس دولت کے بارے میں بالکل محتاج ہے اور خدا کا فرمانا "ثم رددناه اسفل سافلین" اگر آپ اسکی مادی فتوحات دیکھیئے، اگر آپ اسکی سائینسی ترقیات دیکھیئے تو "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" - اور اگر آپ اسکی اخلاقی افلاس دیکھیئے، اگر آپ اس کی روحانی پیاس دیکھیئے، اگر آپ اسکی روح کا کرب دیکھیئے۔ ایک طرف آپ اس کی عقلی پختگی اور ساتھ ساتھ اس کے عقلی بچپن اور طفولیت دیکھیئے دونوں چیزیں اس میں جمع ہیں، ایک طرف چاند پر جا رہا ہے۔ اور ایک طرف "ثم رددناه اسفل سافلین" یہ اخلاقی پستی کے آخری گڑھے میں گر رہا ہے۔ وہی امریکہ کہ جس نے آج ہر مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔ وہی آج اپنے نوجوانوں کے اخلاقی مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے۔ اقبال نے کہا تھا۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

وہ جس نے ستاروں کی گذرگاہیں دریافت کیں جو چاند پر پہنچا وہ اپنی زندگی میں چاندنی اور روشنی نہ لا سکا میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کاش ہمارا کوئی اسلامی ملک اس پوزیشن میں ہوتا کہ وہ مغرب کو پیغام دیتا اور مغرب سے آنکھیں ملا کر یہ کہتا تو نے یہ غلطی کی، اسے مغرب! تو نے یہ ٹھوکر کھائی، اسے مغرب! تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے۔ تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے۔ رسول اللہؐ کے پیغام

میں ہے۔ لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں ہماری گردنیں ندامت اور شرم سے جھک جاتی ہیں کہ سعودی عرب سے لے کر پاکستان تک اور مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک کوئی ملک اس پوزیشن میں نہیں ہے۔ کہ اس ملک سے آنکھ ملا کر خود اعتمادی سے کچھ کہہ سکے۔ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے کو اس پوزیشن میں ہی نہیں رکھا ہے کہ ہم مغرب سے شریفوں کیطرح بات کر سکیں، مردوں کی طرح بات کر سکیں، ہم جب مغرب سے بات کرتے ہیں تو سر سے لے کر پاؤں تک ہم اس کے احسانات میں ڈوبے ہوتے ہیں، ہماری جہالت ہمارے خلاف گواہی دیتی ہے، ہمارا افلاس ہمارے سر کے اوپر چڑھ کر بولتا ہے، ہم جب بولتے ہیں تو ان کی زبان میں بولنا چاہتے ہیں، اپنی زبان میں بولنا بھی پسند نہیں کرتے، ہمارے جسم پر ان کا لباس ہوتا ہے۔ اور بھیک کے لئے ہاتھ پھیلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں کوئی اسلامی ملک اس مغرب سے جو کہ اقتدار کا مالک ہے، جس کو ہر طرح کی سیادت حاصل ہے، علمی سیادت، سیاسی سیادت، اقتصادی سیادت اس کو حاصل ہے۔ کون سا ایسا ملک ہے جو اس مغرب پر ادنیٰ تنقید کر سکے۔ اس مغرب کو کوئی لقمہ دے سکے کوئی مشورہ دے سکے، کوئی اسلامی ملک اس شان میں نہیں۔

آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں

لیکن میں آپ سے کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ میری تخیل آرائی ہو، ممکن ہے میری بلند پروازی ہو، میں آپ سے ضرور کہوں گا اور آپ کو اس کا اہل سمجھتا ہوں کہ کہوں کہ آپ اپنی زندگی اپنے وجود، اپنے طرز زندگی سے یہ ثابت کریں کہ آپ کے پاس اس مغرب کو دینے کیلئے کچھ ہے آپ یہاں صرف لینے کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ دینے کے قابل بھی ہیں۔ آپ کا ہاتھ صرف لینے کے لئے نہیں پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ وہ کچھ دینے کے لئے بھی پھیل سکتا ہے۔ آپ اگر یونیورسٹی کے طالب علم، ٹیچر یا ریسرچ اسکالر ہیں۔ یہاں تک کہ آپ یہاں کی کسی فرم میں ہیں، آپ کا جن سے سابقہ پڑتا ہے، آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں، ان سب کے سامنے آپ اسلام کی صداقت کو پیش کر سکتے ہیں۔ ان میں یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں کہ اسلام آج بھی ان کی مدد کر سکتا ہے، کچھ دے سکتا ہے، ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود گویا کچھ نہیں اور ان سے جو حقیقی فائدہ پہنچنا چاہئے تھا، ان طبعی تحقیقات سے اور مادی فتوحات سے وہ ان کو نہیں پہنچ رہا ہے، آپ کو اس مقام پر ہونا چاہئے، آپ کے اندر یہ اعتماد بحال ہونا چاہیئے کہ آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں، آپ صرف خوشہ چیں نہیں ہیں کہ یہاں آکر ان کی کلیاں توڑیں اور اپنا دامن بھر لیں بلکہ آپ اپنی کلیوں سے ان کا دامن بھر سکتے ہیں، یہ بات موجودہ حالات کے لحاظ سے قبل از وقت اور ناقابل قیاس ہے اور شاید ہمارے بہت سے بھائی تعجب کریں کہ میں یہ سب باتیں کہاں سے کہہ رہا ہوں، میں کہاں رہتا ہوں۔ لیکن قرآن اور اسوہ نبوی ہمارے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا، اور مدینہ میں کوئی اسٹیٹ قائم نہیں ہوئی تھی اور جب کہ کوئی معاشی مسئلہ بھی حل نہیں ہوا تھا، اور مسلمان خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قیصر روم کو جو اس وقت سیمبول تھا دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا اور جو دنیا کے آدھے حصہ پہ حکومت کرتا تھا، اپنے خط میں لکھا تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدیٰ اما بعد! فانی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم الیریسیین ویا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك به شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون!

(بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کیطرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے، اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام تو سلامت رہے گا خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا۔ اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کیطرف آؤ جو ہم میں اور تم میں کیساں ہو وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں۔ اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔)

ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں جس نے فقر و فاقہ کی حالت میں، گمنامی کی حالت میں اسوقت جبکہ دنیا میں ان کی سیاسی، اقتصادی کوئی پوزیشن نہیں تھی، اس حالت میں اسلام کی دعوت، دنیا کے سب سے باجبروت انسان کو اس خود اعتمادی کے ساتھ دی، یہ کیا ہمت تھی۔؟ یہ کیا مقام تھا، یہ کیا بلندی تھی اس وقت جب کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں، اس کے خزانے میں پیسہ نہیں، چند لوگ اس کے ماننے والے ہیں۔ اور ایک شاہ وقت سے وہ اس طرح کہتا ہے کہ "اَسْلِمْ تَسْلَمْ" اسلام قبول کرو بچ جاؤ گے، تمہاری حفاظت ہوگی۔ تمہاری جان بچ جائے گی، ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں، آج ہمارا مقام یہ ہونا چاہیئے کہ ہم آج اس قوم کو دینے کا حوصلہ رکھیں اور ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہمارے پاس وہ دولت ہے، جس سے وہ محروم ہے اور بغیر اس دولت کے یہ تمدن بچنے والا نہیں، اس وقت یہ تمدن خودکشی کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اور

اس گہری خندق میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہے جس میں گرنے کے بعد کبھی ابھر نہیں سکے گا اُسے اگر کوئی چیز بچاسکتی ہے تو یہی خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات، قرآن کی رہنمائی اور یہ کہ مادیات اور اخلاقیات اور وسائل ومقاصد کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے، اگر مادیات ہیں اور اخلاقیات نہیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں یہ وہ پیغام ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں کو دینا چاہئے تھا اور میں نام لے لے کر کہہ سکتا ہوں یہ پیغام شاہ خالد کو دینا چاہیے تھا، یہ ذوالفقار علی بھٹو کو دینا چاہیے تھا، یہ انڈونیشیا کے صدر مملکت سوہارتو کو دینا چاہیئے تھا، یہ شاہ حسن کو دینا چاہیئے تھا، یہ شاہ حسین کو دینا چاہیئے تھا کہ اے مغرب تو ڈوب رہا ہے، ہم تجھے بچاسکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یہ پوزیشن نہیں رکھتا، انہوں نے اپنے کو اس قابل رکھا ہی نہیں ہے، یہ مغرب کے دریوزہ گر ہیں ان میں سے کسی میں ہمت نہیں ہے کہ کچھ کہہ سکیں کہ اے مغرب تیرے تمدن میں کمی ہے، یہ مغربی تہذیب کو معراج سمجھتے ہیں کسی نے کہا ہے کہ ساری دنیا کا قبلہ حرم ہے اور حرم کا قبلہ امریکہ بنا ہوا ہے، یہ میں کہہ رہا ہوں دین کا ادنیٰ طالب علم، اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا جس کو ہر حال میں دفاع کرنا چاہیئے تھا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج ہمارے اسلامی ملوک، رؤسائے جمہوریات اس قابل نہیں ہیں کہ مغرب کو کچھ پیغام دے سکیں، مغرب کو کچھ مشورہ دے سکیں، لیکن آپ اگرچہ آپ کسی ریاست کے مالک نہیں، اگرچہ آپ کسی خزانے کے مالک نہیں لیکن آپ یہ فرض انجام دے سکتے ہیں، کس طرح دے سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ ایک زندگی کا مظاہرہ کریں، آپ خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں، آپ اپنے دین پر، اپنے مذہب پر فخر کرنا سیکھیں، آپ خدا کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ قدرت نے آپ کو ان نعمتوں سے نوازا ہے۔ آپ نمازوں کے ذریعہ، دعاؤں کے ذریعہ اس مادیت کے جال سے آزاد ہونے کے ذریعہ آپ یہ ثابت کریں کہ مادیت آپ کو غلام نہیں بناسکتی ہے ابھی آپکی روح زندہ ہے، ابھی آپ کا قلب زندہ ہے، ان کی طرح مردہ نہیں ہوا، ابھی آپ کے اندر خیر وشر کے فرق کا احساس زندہ ہے، آپ کے نزدیک دنیا کی دولت ہی سب کچھ نہیں ہے بلکہ آپ کے نزدیک یہ دنیا بھی کچھ نہیں ہے۔ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے اور آپ خدا کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور اسکی رضا کو سب سے بڑی سعادت اور کمال سمجھتے ہیں، خدا نے آپکو یہ موقعہ دیا ہے خدا نے آپکو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کے سامنے زندگی کا نیا تجربہ اور نئی حقیقتیں لائیں جو ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں، اور مسیحیت اپنے ان تمام کلیساؤں کے باوجود ڈیوینٹی کالجوں کے باوجود، اور عیسائیت کو جو اقتدار حاصل ہے۔ اس کے باوجود مسیحیت اس حقیقت کو زندہ کرنے میں ناکام رہی ہے، اور آئندہ بھی اس سے کوئی امید نہیں ہے۔ آپ اپنی ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود یہ فرض انجام دے سکتے ہیں۔